ماخذ و مصادر

☆1۔امام ابوقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رسالہ قشیریہ مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن، تحقیقات اسلامی} اسلام آباد، 1970ء ص430۔ ☆2۔ایضاً ص428۔ ☆3۔قلندر علی سہروردی، الفقر فخری، مرکزی مجلس سہروردیہ لاہور، باراول، ص129۔ ☆4۔امام ابوبکر بن اسحاق، تعرف مترجم ڈاکٹر پیر محمد حسن، المعارف لاہور، 1391ھ، ص 138۔ ☆5۔سید علی ہجویری داتا گنج بخش، کشف المحجوب' مترجم مفتی غلام معین الدین نعیمی، نوری بک ڈپو لاہور، 1978ء، ص78۔ ☆6۔ایضاً ص79۔ ☆7۔ایضا، ص79۔ ☆8۔بحوالہ بالا الفقر فخری، ص129۔ ☆9۔رئیس احمد جعفری، تصوف اور اسلام، کراچی، ص189۔ ☆10۔ایضا، 189۔ ☆11۔بحوالہ بالا کشف المحجوب، ص75۔ ☆12۔بحوالہ بالا الفقر فخری، ص129۔ ☆13۔عارف عبدالمتین، پرکھ پڑچول، جدید ناشرین لاہور، 1979ء، ص18۔ ☆14۔غلام احمد پرویز، تصوف کی حقیقت، ادارہ علوم اسلامیہ لاہور، 1981ء، ص24۔ ☆15۔مولانا جلال الدین رومی، مثنوی معنوی، انتشارات پڑوھش خیابان انقلاب تہران، 1375 شمسی، دفتر اول، ص6، بیت نمبر 22,23۔ ☆16۔المومن، 60:40۔ ☆17۔بحوالہ بالا مولانا رومی، دفتر چہارم، ص589، بیت نمبر 760۔ ☆18۔علامہ ابونعیم بن عبداللہ اصفہانی، حلیۃ الاولیاء' مترجم مولانا محمد اصغر، دارالاشاعت کراچی، 2006ء حصۂ اول ص35۔ ☆19۔بحوالہ بالا کشف المحجوب، ص80۔ ☆20۔الجمعۃ 02:62۔ ☆21۔علامہ سید محمود آلوسی، تفسیر روح المعانی۔ ☆22۔ایضاً ص ۔ ☆23۔النساء 29:4۔ ☆24۔البقرۃ 183:2۔ ☆25۔البقرۃ 197:2۔ ☆26۔النساء 31:78۔ ☆27۔البقرۃ 165:2۔ ☆28۔آل عمران 92:3۔ ☆29۔شیخ ابوالنصر سراج، کتاب اللمع مترجم سید اسرار بخاری، اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور، 1989ء۔ ☆30۔امام محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح بخاری، نور محمد اصح المطابع آرام باغ کراچی، 1981ء، باب حب الرسولؐ، ص7۔ ☆31۔مولانا اشرف علی تھانوی، شریعت و طریقت، ادارہ اسلامیات لاہور، 1981ء، ص41۔ ☆32۔اخرجہ مسلم، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ فی باب البیعۃ۔ ☆33۔بحوالہ بالا شریعت و طریقت، ص59۔ ☆34۔بحوالہ بالا شریعت و طریقت، ص65۔ ☆35۔شیخ سعدی شیرازی، گلستان، نورانی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور، ص9۔ ☆36۔بحوالہ بالا شریعت و طریقت، ص72۔

............☆☆☆............

مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ڈاکٹر محمد ذکی

دنیا میں آج تک کسی بھی انسان کی سیرت پر اتنا تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔ جتنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ہو چکا ہے۔ آپ کے سیرت نگاروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے جاں نثار، عقیدت مند بھی شامل ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر، سخت نکتہ چین اور انتہائی دشمن بھی اور ان میں سے ہر ایک اپنے مخصوص نقطہ نظر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے کسی نہ کسی پہلو کو اُجاگر کرنے میں دوسرے سے بازی لے جانا چاہتا ہے۔ یہ گہرا لگاؤ اور عام دلچسپی صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات سے مخصوص ہے ورنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی ایسی بہت سی شخصیات گزر چکی ہیں جنہوں نے بڑے بڑے شان دار کارنامے انجام دیئے ہیں او رانسانی قلوب پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ ان میں سے کسی بھی رہ نما کی زندگی کے مختلف گوشوں پر اتنی بحث نہیں کی گئی جتنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں کی گئی ہے۔

اس کی بہت سی وجوہ ہوسکتی ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان ہستیوں کے صحیح اور تفصیلی حالات معلوم نہیں اور جتنا کچھ بھی معلوم اور مشہور ہے اس میں بھی غیر مستند روایات اتنی زیادہ ہیں کہ ان کی شخصیات کے صحیح خدوخال مستور ہو کر رہ گئے ہیں۔ اب ظاہر ہے ظن وتخمین اور فرضی داستانوں کی بنیاد پر ان کی سیرت کی تشکیل ہوسکتی ہے نہ وسیع پیمانہ پر تحقیقی کام ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر بائبل ہی کو لے لیجیے، جو اس نوع کی قدیم ترین دستاویز سمجھی جاتی ہے۔ اس میں انسان اول (حضرت آدم علیہ السلام) سے لے کر حضرت عیسی علیہ السلام تک مختصر انسانی تاریخ بیان کی گئی ہے، بنی اسرائیل کے تفصیلی حالات اور ان کے رہ نماؤں کے سوانحی خاکے ہیں۔ چودھویں، پندرہویں صدی عیسوی تک عام اہل کتاب (یہودی پرانے عہد نامہ کو اور عیسائی نئے اور پُرانے عہد نامہ کو یعنی) بائبل کو ایک الہامی اور مستند کتاب مانتے رہے لیکن دور جدید میں جب یورپ میں علمی سرگرمیوں کا آغاز ہوا اور اہل علم کا تنقیدی شعور بیدار ہوا تو انہوں نے بائبل کا بھی تحقیقی مطالعہ کیا لیکن ان کے انکشافات نے یورپ کے مذہبی حلقوں میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ کیوں کہ یہ سارے محققین اس نتیجہ پر پہنچے کہ بائبل الہامی کتاب نہیں ہے، اس کے مصنفین انسان ہی تھے لیکن ان سب کے نہ تو نام معلوم ہیں نہ اس کے مختلف صحایف کا زمانہ تصنیف متعین کیا جاسکتا ہے۔ اس کا متن جو قدیم عبرانی زبان میں تھا اور تحریری شکل میں ایک نسل سے دوسری

نسل کو منتقل ہوتا رہا۔لیکن نقل و روایت میں صحت کا التزام نہیں ہوا۔مختلف مراحل پر مختلف وجوہ کی بنا پر راویوں اور کاتبوں نے تغیر و تبدل بھی کیا اور لفظی اور معنوی تحریف بھی کی ہے۔ستم بالائے ستم یہ کہ قدیم عبرانی نسخے اب ناپید ہیں، زیادہ سے زیادہ پرانا عبرانی نسخہ جو دستیاب ہو سکا ہے وہ نویں، صدی عیسوی کا ہے، یعنی ظہور اسلام کے بھی کئی سو سال بعد کا۔اس کے بیشتر نسخے یونانی تراجم کی شکل میں ملتے ہیں لیکن ان کے بارے میں بھی مغربی محققین کی رائے یہ ہے کہ ترجمے لاپروائی کے ساتھ ہوئے ہیں۔اس کے علاوہ اس میں اختلافات، متضاد بیانات اور خرافات بھی ہیں اس لیے اس میں جو کچھ بھی کہا گیا ہے اسے بہت احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔(یہ رائے ان تمام مغربی محققین کی ہے جنہوں نے بائبل کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے۔مثال کے لیے ملاحظہ ہو۔(The Story of Bible, Library Edition? Vol.1, PP.7-14.2- The International Critical Commentory Ed by 1 Skinnev)

آج بھی مغربی دانش وروں کا یہی مسلک ہے، البتہ وہ یہودی اور عیسائی جو تنقیدی مطالعہ کو جرم سمجھتے ہیں اور علمی ترقیات میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے اب بھی بائبل کو الہامی اور غلطیوں سے پاک کتاب سمجھتے ہیں۔اسی پر ان کتابوں کو بھی قیاس کر لیجیے جن میں مختلف قوموں کے رہ نماؤں کی داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ان کے بارے میں عوام کا عقیدہ خواہ کچھ بھی ہو علمی حلقوں میں سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں حقائق کم اور اساطیر زیادہ ہیں اور ان میں سے بیشتر کتابوں کے مصنفوں کے نام معلوم ہیں نہ زمانہ تصنیف۔پھر ان کتابوں کی بنیاد پر بھلا ماضی کی مشہور اور تاریخ ساز ہستیوں کے بارے میں علمی اور تحقیقی نقطۂ نظر سے کیا کام ہو سکتا ہے؟

لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔اول تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہی تاریخ کی پوری روشنی میں ہوا ہے۔دوسرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لیے جتنے مستند ماخذ ممکن ہیں وہ سب موجود ہیں۔

سب سے زیادہ قابل اعتبار اور مستند ذریعۂ معلومات جو کسی شخصیت کے سمجھنے اور اس کے کارناموں کا جائزہ لینے کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے وہ خود اس کا کلام یا تصنیف ہے، کیوں کہ انسان کا اپنا کلام نہ صرف یہ کہ اس کی شخصیت کی خودنوشت سوانح حیات (Auto - Biography) دستیاب ہو جاتی ہے تو اسے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ورنہ اس کے اقوال اور متفرق بیانات کی تلاش کی جاتی ہے اور پھر ان کی روشنی میں اس کی سیرت مرتب کی جاتی ہے۔

دوسرے درجہ پر معاصرین کی شہادتوں اور بیانات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اگر کسی معروف شخصیت کے بارے میں کسی ہم عصر نے کچھ لکھا ہے یا اس کے ہم عصروں کی شہادتیں مل جاتی ہیں تو ان کو بہت اہمیت دی جاتی ہے ان لوگوں کی تحریروں اور بیانات کے مقابلہ میں، جو کچھ زمانہ کے بعد قلم بند ہوئے ہیں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لیے اولین ماخذ قرآن حکیم ہے۔اس کے بارے میں اہل اسلام کا عقیدہ تو یہ ہے کہ یہ اللہ رب العالمین کا کلام ہے، جو اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔اس لیے اس

میں حقیقت ہی حقیقت ہے، اس کے سوا کچھ اور نہیں۔ اس میں ماضی کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ حق ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین اور عہد کے بارے میں جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں، وہ سب ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔

البتہ غیر مسلموں کا نظریہ ذرا مختلف ہے۔ ان کے نزدیک قرآن خدا کا کلام نہیں ہے، بلکہ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام دوسرے لوگوں نے سن کر لکھا ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے) اس اعتبار سے اس کا حکم وہی ہے جو ایک خودنوشت سوانح عمری کا ہوتا ہے۔ اس کی بہت سی باتیں بالکل صحیح اور یقیناً قابلِ تسلیم ہیں لیکن دیگر باتیں، بالخصوص رسالت سے متعلق، ناقابلِ تسلیم ہیں۔

اس بنیادی اختلاف سے قطع نظر مسلمانوں اور غیر مسلموں، سب کا اس پر اتفاق ہے کہ موجودہ قرآن حرف بحرف وہی ہے جو آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوا تھا اور اس پوری مدت میں اس کے اندر ایک لفظ کی بھی کمی بیشی نہیں ہوئی ہے۔ (مثال کے لیے دیکھیے ولیم میور، سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مقدمہ ص26، رچرڈ بیل (Richard Bell) مقدمہ قرآن ص:44)

اس لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے لیے قرآن نہایت مستند ذریعۂ معلومات ہے۔ اس کے مضامین اور بیان کردہ بعض واقعات کو اگرچہ غیر مسلم مفکرین تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن یہ سب ہی مانتے ہیں کہ قرآن تحریف سے بالاتر کتاب ہے، جب کہ ماضی کے دوسرے رہ نماؤں کے اپنے بیانات صحت کے ساتھ نقل ہو کر ہم تک نہیں پہنچے ہیں۔

دوسرا اہم ماخذ احادیث کا مجموعہ ہے۔ اس میں بالاتفاق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات، قرآنی آیات کی تشریحات، نصیحتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے گئے سوالات کے جوابات، حالات پر تبصرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز زندگی، شب وروز کے مشاغل، لوگوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین کے تبصرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ان کے تاثرات، سب ہی شامل ہیں۔

ان تفصیلات کے نقل کرنے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب تھے اور جن کے بارے میں عام رائے یہی ہے کہ انہوں نے اپنی دانست میں ہر بات نہایت سچائی اور ایمان داری کے ساتھ نقل کی ہے۔ اس میں مبالغہ ہے نہ غلط بیانی۔ اس لیے جو کچھ صحابہؓ نے نقل کیا ہے اس پر اعتبار نہ کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں۔

پھر ان اصحاب سے اس جماعت نے یہ تفصیلات سن کر نقل کی ہیں۔ جو تابعین کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ صحابہؓ کے تربیت یافتہ اور ایمان داری، حافظہ کی پختگی اور تقویٰ میں مشہور تھے۔ اسی طرح دوسری نسل جو ان کے بعد

آئی تبع تابعین سے معروف اور نیکی اور ایمان داری میں مشہور تھے۔ روایت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ائمہ حدیث نے اس علمی سرمایہ کو قلم بند کر دیا اور پھر سب طرف شائع ہوگیا۔

اس مجموعہ کی چند قابل ذکر خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

❶ اس میں جہاں خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہے وہاں معاصرین کے بیانات بھی ہیں۔ انہوں نے بہ چشم خود جو کچھ دیکھا، سنا اور محسوس کیا ہے وہ بھی نقل ہوگیا ہے، علمی اور تاریخی اعتبار سے معاصرین کی یہ شہادتیں بہت اہمیت رکھتی ہیں، بالخصوص جب کہ دوسری اہم شخصیات کے معاصرین کے بیانات سرے سے ملتے ہی نہیں اور اگر کچھ نقل بھی ہوا ہے تو صحت کے ساتھ نہیں۔

❷ ان معاصرین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ ان میں ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ عرب بھی اور عجمی بھی، امیر بھی، غریب بھی، عام افراد بھی اور قبائل واقوام کے سردار بھی۔ وہ لوگ بھی جن کے سامنے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی اور وفات بھی ہوئی۔ وہ بھی جو بچپن کے ساتھی تھے، وہ بھی جنہوں نے آپ کا عہد شباب دیکھا تھا۔ آپ کے قریبی عزیز دوست، احباب، پڑوسی اور ہم وطن، تجارت وکاروبار میں شریک رہنے والے، وہ بھی جنہوں نے دور سے دیکھا تھا، وہ بھی جنہوں نے قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ ایسے بھی جو لحہ در لحہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور وہ بھی جو مدتوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر گردن اتروا دینے کے لیے تیار رہنے والے بھی تھے اور وہ بھی جو کبھی شدید مخالف اور کٹر دشمن رہے تھے اور ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نجی زندگی کو نہایت قریب سے دیکھنے والی جماعت بھی ہے۔ یعنی ازواج مطہرات۔

❸ یہ تمام صحابہ اور صحابیات آپ کی زندگی کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کے بارے میں ساری تفصیلات محفوظ کر کے نہایت اہتمام اور احتیاط کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ سب عینی شاہد ہیں۔ گھر سے باہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی لحہ (بالخصوص اعلان رسالت کے بعد) ایسا نہیں گزرا جب کہ کوئی نہ کوئی صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہو۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر کے اندر بھی کوئی لحہ ایسا نہیں گزرتا تھا جب کہ ازواج مطہرات میں سے کوئی یا قریبی عزیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاغل کو دلچسپی سے نہ دیکھ رہا ہو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد مختلف فاصلوں پر اور مختلف زاویوں سے بے شمار کیمرے نصب تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر نقل وحرکت کو محفوظ کرتے چلے جا رہے تھے اور ایسے آلات لگے ہوئے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر لفظ کو ریکارڈ کر رہے تھے، اس میں نہ دن کی قید تھی، نہ رات، نہ گھر کی نہ باہر کی۔

اب آپ ساری دنیا کی تاریخ پڑھ جائیے، ایک ایک ورق چھان لیجیے اور دیکھیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی ہستی ایسی نظر آتی ہے جس کی زندگی کے تمام شعبوں کے ساتھ یہ اہتمام ہوا ہو؟ ناممکن، ناممکن۔

اگر مشینوں کے ذریعہ تصاویر اور آواز ریکارڈ کرنے اور پھر ان کو منتقل کرنے کے عمل میں کبھی کبھی نقص اور خامی

کا امکان ہے تو اگر یہی کام انسانوں کے ذریعہ ہو تو کچھ نہ کچھ کمی رہ جانے کا قوی احتمال ہے۔ تمام احادیث پر نظر ڈالنے سے ہر شخص اسی نتیجہ پر پہنچنے پر مجبور ہے کہ اس میں نہایت مستند، مضبوط، شک وشبہ سے بالاتر احادیث بھی ہیں، کچھ کمزور کم تر درجہ کی احادیث بھی ہیں اور موضوع بھی۔ اصلی بھی ہیں اور نقلی بھی۔ لیکن اصل کی طرف رجوع کر کے جعلی اور نقلی الگ کی جاسکتی ہیں اور کر بھی دی گئیں ہیں اور آئندہ اس عمل پر پابندی بھی نہیں ہے۔

اس کے باوجود ایک بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے۔ وہ یہ کہ نقل وروایت کے جو بہتر سے بہتر طریقے اس آسمان کے نیچے ممکن تھے وہ سب ہی استعمال کر لیے گئے ہیں اور ان سے بہتر ممکن بھی نہیں۔ موضوع ذرا پیچیدہ اور وضاحت طلب ہے، لیکن اس علم کے ماہرین تفصیلات کو ذہن میں پھیلا لیں تو اسی نتیجہ پر پہنچیں گے۔ یہاں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

احادیث کے بعد سیرت اور تاریخ کی کتابوں کا نمبر آتا ہے۔ اسناد کا اہتمام گو یہاں بھی ہے لیکن اتنی شدت اور احتیاط کے ساتھ نہیں۔ اس لیے صحت کے اعتبار سے ان کا وہ درجہ نہیں جو کتب حدیث کا ہے۔ پھر بھی دنیا کی دوسری سیرت وتاریخی کتب سے کسی طرح کم بھی نہیں۔

بہرحال ان مآخذ نے اتنا علمی سرمایہ مہیا کر دیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں کہ جس کے بارے میں معلومات نہ ہوں۔ اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھ کر آپ کی شخصیت کو سمجھنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام متعین کرنے میں مدد ملتی، لیکن ہوا یہ کہ کوئی بھی شناور اس بحر کی تہ کو نہ پاسکا، جس کے ہاتھ جو موتی بھی آ گیا اسی کو اپنی کاوش کا ثمرہ سمجھ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر پہلو اپنی تابناکی کے ساتھ اُبھر آیا کہ جس کی نظر ایک پہلو پر پڑ گئی اسی پر ساری توجہ مرکوز ہو گئی۔ دوسرے تمام پہلوؤں پر نظر نہ جاسکی اور کوئی بھی تمام پہلوؤں کا احاطہ نہ کر سکا۔

کسی نے بحیثیت رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر نظر ڈالی تو تحقیقات کا دریا بہاتا چلا گیا لیکن بحیثیت رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقام ہے اس کا کوئی ادراک نہ کر سکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح فرمائی، یہ دیکھ کر کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مصلح کی حیثیت سے پیش کیا لیکن اصلاحات کے دائرے کی وسعت اور قلیل مدت میں حیرت انگیز کامیابی پر نظر پڑی تو اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکا کہ آپ جیسا کوئی مصلح نہیں گزرا۔ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو ایک انقلاب سے تعبیر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انقلابی رہنما سمجھ لیا لیکن یہ انقلاب بھی بے مثل تھا۔ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عظیم رہنما کہا تو کسی نے محسن انسانیت، رحمت للعالمین، کسی نے بہترین نمونۂ حیات کہہ کر خراج عقیدت پیش کیا۔ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست، عدالت، غربا پروری، امانت اور دیانت کو موضوع بنایا کسی نے معاشرت اور ازدواجی زندگی کو اجاگر کیا۔ اس طرح ہر ہر پہلو پر مستقل کتابیں لکھ ڈالیں لیکن سفر ختم کرنے کے بعد یہی معلوم ہوا کہ تحقیق کی راہیں تو اب کھلی ہیں۔ نہ کسی

ایک پہلو پر کام مکمل ہوسکا۔ نہ سارے پہلوؤں کا احاطہ ہوسکا۔ کوششیں جاری ہیں، ہر لمحہ نئے انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر تحقیق ہورہی ہے۔ نئے نئے گوشے ابھر رہے ہیں اور ہر میدان میں آپ کی امتیازی شان نمایاں ہوتی چلی جارہی ہے۔

آپ تاریخ عالم کی منتخب ہستیوں کے کارناموں کو سامنے رکھ لیجیے۔ پھر اسی شعبہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کارناموں پر ایک نظر ڈالیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کے سوا کچھ اور نہیں کہہ سکیں گے کہ کسی بھی جہت سے کائنات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی نہیں ہے، کوئی گل ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً لاجواب چمن ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

یہ بات ہم بلاشبہ عقیدت کی بنا پر کہہ رہے ہیں۔ اس کے اظہار میں ہمیں قطعاً تردد نہیں اور اسے اپنی خوش نصیبی ہی سمجھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے عقیدت کی نعمت سے نوازے گئے۔ لیکن یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ حقیقت بھی یہی ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی نہیں ہے (انسانوں میں اور پوری کائنات میں) خالق کائنات کا بہترین اور حسین ترین کوئی شاہکار ہے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اب ملاحظہ فرمایئے اس حقیقت کی کچھ جھلکیاں — جب بھی دنیا میں خرابی پھیلی ہے، جب بھی انسانی معاشرہ میں فساد رونما ہوا ہے تو کچھ نہ کچھ لوگ اصلاح کے لیے کھڑے ہوئے ہیں اور کبھی کبھی اپنی کوششوں میں کام یاب ہوگئے ہیں۔ ان تمام اصلاحی کوششوں کی چند مشترک خصوصیات یہ رہی ہیں:

❶ اصلاحات کا دائرہ ہمیشہ زندگی کے چند مخصوص شعبوں تک محدود رہا ہے۔ مثلاً اگر کسی نے مذہبی شعبہ میں اصلاح کی کوشش کی تو سیاسی اور معاشی نظام سے تعرض نہیں کیا، کسی نے معاشی نظام کی خرابیاں دور کرنی چاہیں تو مذہب واخلاق کو نظر انداز کردیا، تو کسی نے سارے مسائل کا حل سیاسی نظام کی اصلاح میں منحصر سمجھ لیا۔ اس کا نتیجہ ہمیشہ یہی نکلا ہے کہ اول تو کسی بھی شعبہ میں اصلاح نہیں ہوسکی اور اگر وقتی طور پر کچھ خرابیاں دور ہو بھی گئیں تو پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ دوسرے شعبوں میں خرابیاں پھیل گئیں اور جزوی اصلاحات کا ایک نہ ختم ہونے والا چکر شروع ہوگیا۔

❷ جتنے بھی مشہور مصلحین گزرے ہیں۔ ان کی نظریں ہمیشہ ایک مخصوص طبقہ یا زیادہ سے زیادہ اپنی قوم پر مرکوز رہیں۔ اس لیے ان کے کارنامے وقتی رہے ہیں اور ان کے اثرات بہت محدود۔

اس کے برخلاف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے صرف ایک نہیں بلکہ تمام شعبوں میں اصلاح فرمائی ہے۔ اس کوشش میں نہ صرف یہ کہ آپ قلیل مدت میں کام یاب بھی ہوگئے بلکہ ہزاروں مصلحین کی ایک جماعت تیار فرمادی۔

دوسری اہم خصوصیت یہ رہی ہے کہ ابتدا ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کو خطاب فرمایا اور قومی نہیں انسانی معاشرہ کی اصلاح کو اپنا نصب العین بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کارنامہ نے نوع

انسانی کومتاثر کیا ہے نہ کہ کسی طبقہ یا ملک کو۔

یہی اصلاحی کوشش جب ذرا وسیع پیمانہ پر زیادہ شدت سے کی جاتی ہے تو اسے انقلاب سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، اسلام کو بھی ایک انقلاب سے تعبیر کیا گیا ہے، اسے دیکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے ذریعہ کس نوع کا انقلاب برپا کیا؟

انقلاب کے معنی ہیں مروجہ نظام میں اہم اور بنیادی تبدیلی۔ یہ تبدیلی خواہ سیاسی نظام میں ہو یا معاشی یا معاشرتی نظام میں، جب رونما ہوتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پرانا نظام یکسر ختم ہو گیا۔ ایک دور کا خاتمہ ہو گیا اور ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا۔ یہ عمل بہ تدریج پُر امن طریقہ سے نہیں بلکہ یک لخت، اچانک شدت کے ساتھ اور طاقت کے بل پر ہوتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں طاقت، حکومت اور معاشی وسائل انقلابیوں کے ہاتھوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح قدیم نظام الٹ دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ ایک دوسرا ہی نظام قائم کر دیا جاتا ہے۔

بادی النظر میں یہ بنیادی تبدیلی اچانک (بہت قلیل مدت میں) ہوتی ہے لیکن واقعتاً ایسا نہیں ہوتا۔ اصل انقلاب کے رونما ہونے سے بہت پہلے سے اس کے لیے زمین ہموار ہوتی ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ مدتوں تک مروجہ نظام کی خرابیاں علانیہ بیان کی جاتی ہیں۔ تحریر وتقریر کے ذریعہ لوگوں کو یقین دلایا جاتا ہے کہ موجودہ نظام فرسودہ ہو چکا۔ اپنی افادیت کھو چکا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس نظام کو ہٹا کر اس سے بہتر نظام قائم کیا جائے۔ اس تبدیلی کے لیے مدت تک لوگوں کے ذہنوں کو تیار کیا جاتا ہے، پھر جب ایک خاص طبقہ اس تبدیلی کا خیر مقدم کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے تو پھر باقاعدہ کوششیں شروع ہوتی ہیں۔ انقلابیوں کی سرگرمیوں میں شدت آ جاتی ہے۔ تشدد کا سہارا لیا جاتا ہے، مروجہ نظام پر ضربیں لگائی جاتی ہیں۔ اُدھر وہ بوسیدہ ہوتا ہے اور اِدھر انقلابی آخری چوٹ لگا دیتے ہیں۔ بس یہی آخری کام یاب وار انقلاب کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔

انقلاب کے لیے بنیادی شرط یہی ہے کہ اس سے پہلے مروجہ نظام کے خلاف عوام یا معاشرہ کے ایک طبقہ میں بے چینی پیدا ہو چکی ہو اور وہ اس کو الٹنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ ورنہ انقلاب رونما ہی نہیں ہو سکتا۔ اس کو منظم طریقے سے اشتراکیوں نے یوں پیش کیا ہے کہ ہمیشہ سے معاشرہ میں طبقاتی کش مکش برپا رہی ہے۔ طاقت ور طبقہ معاشی وسائل پر قابض رہا اور کمزور طبقہ کو دباتا رہا۔ ان دونوں کے درمیان کش مکش شدت اختیار کرتی رہی اور بالآخر کمزور طبقہ منظم ہوا اور اس نے وسائل پر قابض طبقہ کو اکھاڑ پھینکا اور خود وسائل پر قابض ہو گیا۔ پھر اس کا ایک حریف طبقہ ابھرا اور از سر نو کش مکش شروع ہو گئی۔ جاگیرداروں کے خلاف کسان اٹھے۔ سرمایہ داروں کے خلاف مزدور، دنیا میں ہمیشہ اور ہر انقلاب کے پس پردہ یہی طبقاتی کش مکش رہی ہے۔ جس کا ایک کام یاب مظاہرہ روس کے 1917ء کے انقلاب میں ہوا ہے۔

اس کے علاوہ سیاسی حقوق کے لیے کام یاب جدوجہد، غیر ملکیوں کو نکالنے اور نو آبادیات کے خلاف جو تحریکیں کام یاب ہوئی ہیں انہیں بھی انقلاب سے موسوم کیا گیا ہے مثلاً:

برطانیہ کا شان دار انقلاب، فرانس کا اٹھارویں صدی کا انقلاب، پھر اس کو اور وسعت دے کر صنعتی اور ثقافتی تبدیلیوں کو بھی انقلاب کی تعریف میں شامل کر لیا گیا۔ مختصر یہ کہ تبدیلی کی کوشش خواہ کسی بھی شعبہ میں ہوئی ہو اگر کام یاب ہوگئی اور اس کے اثرات بہت گہرے ہوئے ہیں تو اسے انقلاب کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس اعتبار سے یقیناً یہ ایک انقلاب تھا۔ جس نے جاہلیت کے نظام کو الٹ کر اس کی جگہ اسلامی نظام قائم کر دیا اور نہ صرف عربوں بلکہ ان تمام لوگوں کی زندگی میں اہم اور بنیادی تبدیلی کر دی جنہوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ لیکن اس کے علاوہ دوسری تمام خصوصیات کے اعتبار سے یہ دنیا کے تمام انقلابوں سے بالکل مختلف تھا۔

پہلی بات تو یہ کہ انقلاب کے لیے ضروری ہے کہ مروجہ نظام کے خلاف ایک عام بے چینی پائی جاتی ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ پوری سرزمین عرب میں مروجہ نظام حیات جسے جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے کے خلاف کہیں بے چینی نہیں تھی بلکہ ہر فرد اس سے نہ صرف یہ کہ مطمئن تھا اس کے تحفظ کے لیے جان کی بازی لگا دینے کے لیے تیار تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صدائے انقلاب بلند کی ہے اس سے ایک لمحہ پہلے بھی کسی نے اپنی تقریر یا تحریر سے اس انقلاب کے لیے زمین ہموار نہیں کی تھی۔ جب کہ دوسرے تمام انقلابات سے مدتوں پہلے ذہنوں کو تیار کیا گیا ہے۔

اتنا ہی نہیں، انقلاب کے اعلان میں آپ کا ایک بھی ہم نوا اور ہم خیال موجود نہیں تھا۔ کسی بھی انسان کے ذہن میں آنے والے انقلاب کا ہلکا سا بھی تصور نہیں تھا۔ گنتی کے چند لوگ، آپ کی بعثت کے وقت ضرور ایسے تھے، جو بت پرستی سے بیزار تھے، انہیں حنیف کہا جاتا ہے، اول تو ان کا اختلاف ایک ذاتی اور نظریاتی تھا۔ دوسرے انہوں نے بت پرستی کے خلاف کوئی تحریک نہیں چلائی۔ تیسرے یہ کہ ان کے سامنے بت پرستی کے مقابلہ پر کوئی دوسرا مذہب واضح طور پر نہیں تھا۔ جسے وہ نعم البدل کے طور پر قبول یا پیش کرتے، نیز اگر عربوں یا دوسرے ممالک میں کہیں بھی مروجہ نظام کے خلاف بے چینی پائی جاتی تو لوگ اسلام کی اس شدت سے مخالفت نہ کرتے اور اپنے روایتی نظام کے تحفظ کی خاطر جان و مال کی بازی نہ لگاتے۔ یہ انسانی تاریخ میں واحد انقلاب ہے جس کی ابتدا صرف ایک شخص نے کی اور اس کو بلندیوں تک پہنچا دیا۔ ورنہ دنیا میں جتنے انقلاب برپا ہوئے ہیں ان کے پیچھے انقلابیوں اور ان کے حامیوں کی منظم جماعت پہلے سے موجود رہی ہے۔

دوسری اہم خصوصیت یہ تھی کہ یہ کسی طبقاتی کش مکش کا نتیجہ نہیں تھا۔ مکہ یا پوری دنیائے عرب میں کہیں بھی زمین داروں (جاگیر داروں) اور کسانوں یا سرمایہ داروں اور مزدوروں کے درمیان کش مکش نہیں تھی۔ دو منظم طبقے اقتدار کے لیے برسرپیکار نہیں تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسانوں یا مزدوروں کو جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے خلاف نہ بھڑکایا نہ اس قسم کی کوئی تحریک چلائی۔ انقلاب کے منشور (لا الہ الا اللہ) میں کہیں اس کی طرف اشارہ تک نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر امیر بھی آئے اور غریب بھی، مخالفت کی تو دونوں نے، اس سے اشتراکی نظریہ کی جڑ